داعی الی اللہ کو ابتلا میں استقامت دکھانا ضروری ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۴ رفروری ۱۹۸۳ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے سورۃ حٰم السجدۃ کی مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:

إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ
الْمَلٰٓئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَأَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ
كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۱﴾ نَحْنُ أَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي
الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا
مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۲﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۳﴾ (حٰمٓ السجدۃ:۳۱-۳۳)

اور پھر فرمایا:

میں نے گزشتہ خطبہ جمعہ میں احباب جماعت کو داعی الی اللہ بننے کی تلقین کی تھی۔ قرآن کریم نے جہاں داعی الی اللہ کی تعریف فرمائی ہے اس سے پہلے وہ پس منظر بھی بیان فرمایا ہے جو اس جماعت کا پس منظر ہے جس میں سے داعی الی اللہ نکلتے ہیں اور ان حالات پر بھی روشنی ڈالی ہے جن حالات کے باوجود یا جن حالات کے نتیجے میں داعی الی اللہ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

چنانچہ جو آیات میں نے ابھی تلاوت کی ہیں ان میں اسی مضمون کو تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ وہ داعی الی اللہ کون ہیں اور کن لوگوں میں سے نکلتے ہیں۔ چنانچہ ان کے متعلق فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو یہ اعلان کرتے ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر اس دعویٰ پر استقامت اختیار کرتے ہیں۔

جہاں تک رَبُّنَا اللّٰهُ کے دعویٰ کا تعلق ہے اس کے ساتھ بظاہر تو استقامت کی کوئی بات نظر نہیں آتی کہ کیوں اس دعویٰ کی وجہ سے استقامت اختیار کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ اس لیے کہ سب لوگوں کا رب اللہ ہے اور فی ذاتہٖ محض یہ دعویٰ کرنا کہ ''اللہ ہمارا رب ہے'' بظاہر دشمنیوں کو انگیخت نہیں کرتا اور کوئی عقلی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ اس دعویٰ کے نتیجے میں دنیا ایسے لوگوں پر کیوں مصیبتیں برپا کرے گی جن کی وجہ سے استقامت کا سوال پیدا ہوگا۔

لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ جو رَبُّنَا اللّٰهُ کہتے ہیں ان کا انداز عام دنیا کے رَبُّنَا اللّٰهُ کہنے والوں سے مختلف ہوتا ہے۔ ان کے اندر زیادہ سنجیدگی پائی جاتی ہے، ان کے اندر زیادہ خلوص پایا جاتا ہے اور رَبُّنَا اللّٰهُ کا دعویٰ ان کے اعمال میں ایسی تبدیلیاں پیدا کر دیتا ہے کہ یہ لوگ عام دنیا کے لوگوں سے کچھ مختلف شکلیں اختیار کر جاتے ہیں۔

رَبُّنَا اللّٰهُ کا معنی ہے، اللہ ہمارا رب ہے۔ وہی ہے جس نے پیدا کیا، وہی ہے جو پرورش کرتا ہے، وہی ہے جو تربیت دے کر آگے بڑھاتا ہے۔ مربی بھی ہمارا وہی ہے اور پالن ہار بھی وہی۔ اسی سے ہم دنیا کے رزق حاصل کرتے ہیں اور اسی سے روحانی رزق حاصل کرتے ہیں۔ یعنی جسمانی اور روحانی، دونوں غذائیں ہمیں اپنے رب سے ملتی ہیں اور وہ ہمیں کافی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی اور رب کی ضرورت نہیں۔

اگر آپ اس دعویٰ پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ایک طرف تو یہ دعویٰ کلیۃً اللہ پر انحصار کر دیتا ہے اور دوسری طرف کلیۃً غیر اللہ سے مستغنی بھی کر دیتا ہے۔

رَبُّنَا اللّٰهُ کا دعویٰ کرنے والوں پر کئی قسم کے ابتلا آتے ہیں جن کے نتیجے میں انہیں استقامت دکھانی پڑتی ہے۔ کچھ تو اندرونی ابتلا ہیں اور کچھ بیرونی ابتلا۔ اندرونی طور پر تو یہ قوم تربیت کے ایسے مشکل رستوں سے گزرتی ہے کہ قدم قدم پر ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ جس رب کے پیچھے تم چل رہے ہو

اس کے نتیجے میں تو تمہارا رزق کم کیا جائے گا اور تم مشکلات اور مصیبتوں میں مبتلا کئے جاؤ گے۔ تم عجیب پاگل قوم ہو کہ بڑی محنت کے ساتھ اپنی حکمتوں کو استعمال کرتے ہوئے اور اپنی جسمانی طاقتوں کا استعمال کرتے ہوئے تم روپیہ کماتے ہو اور پھر اس روپے کو از خود خدا کے نام پر خرچ کر دیتے ہو اور دعویٰ یہ ہے کہ رَبُّنَا اللّٰہُ، اللہ ہمارا رب ہے۔ اچھا اللہ تمہارا رب بنا کہ پہلے حال سے بھی بدتر ہو گئے۔ دنیا کمانے والے جو تمہارے بھائی بند ہیں وہ تو کمانے کے رستے بھی زیادہ رکھتے ہیں اور خرچ بھی خالصتاً اپنی ذات پر کرتے ہیں۔ ان کا رزق زیادہ بابرکت ہے یا تمہارا جن کی آمد کے رستے تنگ ہیں اور خرچ کے رستے زائد ہو گئے اور تم ایسی جگہ بھی خرچ کرنے لگے جس کے نتیجے میں تمہیں کوئی ذاتی فائدہ نہیں پہنچتا۔ اب دیکھیں کتنا بڑا ابتلا ہے کہ رَبُّنَا اللّٰہُ کہنے والوں نے جھوٹ کی کمائی کے رستے اپنے اوپر بند کر دیئے۔ رَبُّنَا اللّٰہُ کہنے والوں نے رشوت کی کمائی کے رستے بند کر دیئے۔ رَبُّنَا اللّٰہُ کہنے والوں نے ظلم کے ذریعے ہتھیائی ہوئی جائیدادیں حاصل کرنے کے رستے اپنے اوپر بند کر دیئے۔ رَبُّنَا اللّٰہُ کہنے والوں نے تکڑی کے تول میں خرابی کے ذریعے زیادہ آمدن پیدا کرنے کے رستے بند کر دیئے۔ رَبُّنَا اللّٰہُ کہنے والوں نے چوری کے رستے بند کئے، ڈاکے کے رستے بند کئے اور دھوکے کے رستے بند کئے۔ باقی دنیا کے لئے رزق کے کتنے ہی رستے کشادہ ہیں اور کتنی ہی ان گنت راہیں ہیں جو دنیا والوں کے لئے کھلی ہیں مگر رَبُّنَا اللّٰہُ کہنے والوں نے ان سب راہوں سے منہ موڑ لیا اور پھر خرچ کی راہوں میں اپنے لئے ایسی راہیں تجویز کیں کہ وہ پاکیزہ رزق جو بظاہر تنگ رستوں سے انہیں حاصل ہوتا ہے اور دنیا کے مقابل پر ان کی آمد کے وسائل بہت محدود نظر آتے ہیں، اپنی اس قلیل آمد کو بھی وہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے لگ گئے اور دعویٰ یہ ہے کہ رَبُّنَا اللّٰہُ اللہ ہمارا رازق ہے۔

یہ وہ اندرونی آزمائش ہے جس میں سے یہ لوگ گزرا کرتے ہیں اور اسی کا نام استقامت ہے کہ اپنے دعویٰ کو سچا ثابت کر کے دکھاتے ہیں اور ہر قسم کے مصائب کو ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے ہیں اور کسی قسم کا خوف نہیں کھاتے اور یقین رکھتے ہیں کہ وہی رازق ہے اور اسی سے ساری برکتیں حاصل ہوتی ہیں اور اسی کے نام پر خرچ کرنے میں دراصل رزق کی برکتوں کی چابی رکھی گئی ہے۔ اس یقین کے ساتھ وہ استقامت اختیار کرتے ہیں۔

پھر ایک بیرونی ابتلا ان پر آتا ہے۔ باہر کی دنیا کہتی ہے کہ اچھا اگر تم اللہ کو ہی رب سمجھ رہے

ہو اور سمجھتے ہو کہ وہی تمہارے رزق کا انتظام کرتا ہے اور وہی تمہیں بچاتا ہے تو تمہاری اندرونی قربانی کافی نہیں، ہم بھی کچھ حصہ ڈالیں گے۔ یعنی کچھ تمہاری دو کانیں ہم لوٹیں گے، کچھ تمہاری جائیدادیں ہم برباد کریں گے، کچھ جائز ورثوں سے تمہیں ہم محروم کر دیں گے، کچھ جائز ترقیات سے تمہیں ہم عاری کر دیں گے اور ان کے رستے میں روکیں کھڑی کر دیں گے، کچھ حصول تعلیم کے حق تم سے چھین لیں گے اور وہ تعلیم جو تمہارے رزق کا ذریعہ ہے، ہم حتی المقدور کوشش کریں گے کہ تم اس تعلیم میں قدم آگے نہ بڑھا سکو۔ غرض یہ کہ ہر قسم کی مشکلات جو رزق کے حصول کے رستے میں حائل کی جاسکتی ہیں وہ تمہاری راہ میں حائل کریں گے پھر دیکھیں گے کہ تم کس شان کے ساتھ اور کس یقین کے ساتھ رَبُّنَا اللّٰهُ کہتے ہو۔ یہ استقامت کا دوسرا دور شروع ہو جاتا ہے۔

استقامت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز ایسی حالت میں بھی کھڑی رہے کہ جب اس کے کھڑے رہنے کی راہ میں روکیں ہوں اور اس کو ہر طرف سے دھکے پڑ رہے ہوں۔ ویسے تو کوئی چیز کھڑی ہو تو اس کے لئے قَامَ کا لفظ بولتے ہیں۔ درخت کھڑے ہیں ان کی اس حالت کے متعلق بھی قَامَ کا لفظ استعمال کریں گے۔ انسان کھڑا ہو تو وہ بھی قَامَ کی حالت میں ہوتا ہے لیکن شدید آندھی میں بھی جو درخت قائم رہ جائے اس کے متعلق اِسْتَقَامَ کا لفظ استعمال کریں گے۔ اسی طرح شدید زلازل میں بھی کوئی عمارت نہایت شان کے ساتھ سر بلند کھڑی رہے اور سرنگوں نہ ہو، اس کے متعلق بھی اِسْتَقَامَ کا لفظ بولیں گے۔ اسی طرح شدید مشکلات اور مصائب میں کوئی انسان اپنے مؤقف پر قائم رہے اور ایک انچ بھی اس سے انحراف نہ کرے اس کے متعلق بھی اِسْتَقَامَ کا لفظ ہی استعمال کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر قسم کے ابتلا ان لوگوں پر عائد کئے جاتے ہیں جو رَبُّنَا اللّٰهُ کا دعویٰ کرتے ہیں۔ تقدیر خداوندی کی طرف سے ان کے امتحانات لئے جاتے ہیں۔ ان پر ایسے اندرونی اور بیرونی ابتلا آتے ہیں جو حد کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثُمَّ اسْتَقَامُوْا کہ کوئی مصیبت، کوئی زلزلہ، کوئی قیامت ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں پیدا کر سکتی، کوئی چیز ان کو اس راہ سے ہٹا نہیں سکتی جس پر یہ گامزن ہوتے ہیں اور اسی لیے ان کی راہ کا نام بھی مستقیم رکھا گیا اور مستقیم راہ پر قائم رہنے کے لئے یہ دعا سکھائی گئی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ کے بعد اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝

کی دعا یہ بتا رہی ہے کہ رَبُّنَا اللّٰہُ یعنی اللہ کی عبادت کرنا اور کسی اور کی طرف منہ نہ کرنا، اس دعویٰ کے نتیجے میں لازماً مشکلات پیدا ہوں گی اور اگر دعائیں نہیں کرو گے تو ان مشکلات میں ثابت قدم نہیں رہ سکو گے۔ پس صراط مستقیم دراصل استقامت کی تشریح ہے یا استقامت صراط مستقیم کی تشریح ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے پر روشنی ڈال رہے ہیں۔ پس فرمایا کہ جب وہ استقامت اختیار کرتے ہیں تو ہم انہیں اس سے پہلے استقامت کا گر سکھا چکے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے زور بازو سے مستقیم نہیں رہ سکتے بلکہ ہم انہیں دعائیں سکھاتے ہیں وہ گریہ وزاری کے ساتھ ہماری طرف جھکتے ہیں اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ کی دعا جاری رہتی ہے اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ انہیں استقامت عطا فرماتا ہے۔

پھر جب وہ استقامت دکھاتے ہیں تو ان کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے؟ فرمایا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا یعنی بکثرت ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور یہ کہتے ہوئے نازل ہوتے ہیں اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا کہ کوئی خوف نہ کرو، کوئی غم نہ کھاؤ۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ استقامت دکھانے والے لوگوں کو یہ فرشتے کہتے ہیں کہ کوئی غم نہ کھاؤ اور کوئی خوف نہ کرو حالانکہ غم کی وجوہات بھی نظر آتی ہیں اور خوف کی وجوہات بھی نظر آتی ہیں پھر اس پیغام کا کیا مطلب ہے کہ کوئی غم نہ کھاؤ اور کوئی خوف نہ کرو؟ کیونکہ استقامت خود ایسے حالات کی متقاضی ہوتی ہے جن کے نتیجے میں غم بھی پیدا ہوگا اور خوف بھی پیدا ہوگا۔ مثلاً اگر کسی ایسے انسان کو جسے نقصان پہنچا ہو آپ کہہ دیں کہ غم نہ کرو تو اس سے اس کا غم کس طرح دور ہوگا؟ یا اگر خوف کے مقام پر آپ یہ اعلان کر دیں کہ خوف نہ کرو تو اس سے خوف کس طرح زائل ہو سکتا ہے؟ اس لئے دیکھنا یہ ہے کہ وہ فرشتے ایسی باتیں کر کے ان کے زخموں پر نمک پاشی کر رہے ہوتے ہیں یا یہ پیغام کوئی اور معنی رکھتا ہے؟ لیکن اس سے پہلے کہ ہم اس مضمون میں داخل ہوں، ہم استقامت کی طرف واپس لوٹتے ہیں۔

استقامت کے سلسلے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے غلاموں اور ساتھیوں نے جو عظیم الشان نمونے دکھائے، تاریخ اسلام ان واقعات سے روشن ہے اور ہمیشہ روشن رہے گی۔ وہ واقعات ایسی روشنائی سے لکھے گئے ہیں کہ جن کی چمک کبھی ماند نہیں پڑ سکتی اور جن کا کچھ ذکر میں نے جلسہ سالانہ کی پہلے دن کی تقریر میں کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی عظیم احسان ہے کہ اس نے جماعت احمدیہ کو بھی ان درخشندہ مثالوں کی پیروی کی توفیق بخشی اور بخشتا چلا جا رہا ہے۔

ہم ایک ایسی تاریخ بنا رہے ہیں جو اس دور میں اسلام کی استقامت کی تاریخ ہے اور یہ تاریخ بھی اتنی روشن اور درخشندہ ہے کہ ہزاروں سال کے بعد بھی ماضی کے پردے پھاڑتے ہوئے اس کی روشنی چمکا کرے گی اور آنے والی نسلیں مڑ کر دیکھیں گی اور اپنی آنکھوں کو ان نظاروں سے خیرہ کیا کریں گی۔

حضرت صاحبزادہ عبداللطیفؓ صاحب شہید انہیں لوگوں میں سے تھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا جنہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر استقامت دکھائی اور اپنے اس دعویٰ سے سرِ مُو بھی انحراف نہیں کیا۔

جب آپ کو شہادت کے لئے اس مقام کی طرف لے جایا جا رہا تھا جہاں آپ کو سنگسار کر کے شہید کیا جانا تھا تو امیر کابل نے کہا کہ یہ کافی نہیں اس کے ناک میں سوراخ کرو اور جس طرح بیل کو ناک میں رسی ڈال کر اور کھینچ کر لے جایا جاتا ہے، اسی طرح قربانی کے بیل کو لے کر جاؤ۔ چنانچہ آپ کے ناک میں سوراخ کر کے رسی ڈالی گئی اور ایک بہت بڑا ہجوم تھا جو ہنستا، شور مچاتا اور طعن و تشنیع کرتا ہوا آپ کے ساتھ چلا جا رہا تھا اور ان کے درمیان کابل کی گلیوں سے استقامت کا شہزادہ سر اٹھائے ہوئے گزر رہا تھا اور کوئی خوف اور کوئی بلا اس سر کو نگوں نہیں کر سکی۔ وہ اس عظمت اور شان کے ساتھ ان گلیوں سے گزرا ہے کہ اس کی یادیں وہ گلیاں قیامت تک نہیں بھلا سکیں گی۔ جب صاحبزادہ صاحب شہید کو زمین میں چھاتی تک گاڑ دیا گیا تو بادشاہِ وقت نے جو آپ سے ہمدردی رکھتا تھا آپ سے کہا کہ اب بھی آپ مسیح موعود کا انکار کر دیں۔ اپنی جان کا خیال کریں، اپنے اموال اور جائیداد کا خیال کریں اور اپنے بچوں کا خیال کریں۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے سر اٹھا کر کہا کہ اے بادشاہ! ایمان کے مقابل پر میری جان کیا چیز ہے؟ میرے اموال کیا حیثیت رکھتے ہیں اور میرے بچوں کی کیا قیمت ہے؟ کچھ بھی نہیں اس لئے تم وہی کرو جس کا تم ارادہ کر چکے ہو۔ اس پر بادشاہ وقت نے کہا کہ اگر تم انکار نہیں کرنا چاہتے تو مجھے اجازت دو کہ میں تمہاری طرف سے اعلان کر دوں۔ انہوں نے فرمایا نہیں، میں اس کی بھی اجازت نہیں دیتا اور تم نے جو کچھ کرنا ہے جلدی کرو۔ چنانچہ بادشاہ نے قاضیٔ وقت سے کہا کہ پہلا پتھر تم مارو۔ قاضی نے جواب دیا کہ آپ بادشاہ ہیں اس لئے پہلا پتھر آپ چلائیں۔ بادشاہ نے کہا نہیں، شریعت کے بادشاہ تو تم بنے ہوئے ہو، تمہارا حکم چل رہا ہے میرا نہیں، اس لئے پہلا پتھر بھی تم مارو۔ چنانچہ قاضی نے پہلا پتھر مارا اس کے بعد پتھروں کی اس طرح بوچھاڑ ہوئی کہ

حضرت صاحبزادہ صاحب کے سر کے اوپر پتھروں کا ایک ڈھیر بن گیا جس میں یہ وجود غائب ہو گیا۔

یہ وہ واقعہ ہے جسے بعض غیروں نے بھی دیکھا اور مدتوں اس کی کسک ان کے دل میں رہی چنانچہ ایک انگریز چیف انجینئر نے جو انگلستان سے آیا ہوا تھا اور اس موقع پر موجود تھا، اپنی کتاب میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اس مرد مجاہد کے چہرے پر کوئی خوف نہیں تھا۔ اس نے وفات سے پہلے کہا کہ اے قوم! تم ایک معصوم انسان کو مار رہے ہو لیکن یاد رکھو کہ خدا تمہیں اس کا خون نہیں بخشے گا اور بلائیں اور مصیبتیں تمہیں گھیر لیں گی۔ اس انگریز مصنف کے قول کے مطابق یہ وہ آخری اعلان تھا جو حضرت صاحبزادہ صاحب شہید نے کیا اور اس کے بعد پتھراؤ شروع ہو گیا۔

پھر اسی سرزمین پر حضرت صاحبزادہ نعمت اللہ صاحبؓ شہید آپ کی پیروی میں آئے۔ وہ جانتے تھے کہ دعویٰ ایمان کے نتیجے میں انسان کو کیا کیا مصیبتیں سہنی پڑتی ہیں اور مصائب کے کن کن رستوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ حضرت صاحبزادہ عبداللطیفؓ صاحب شہید کی یاد ان کے ذہن اور دل میں تازہ تھی اس کے باوجود انہوں نے وہی نمونہ دکھایا جو اس سے پہلے ایک مرد مجاہد نے دکھایا اور کوئی پرواہ نہیں کی۔ قید کی حالت میں انہوں نے ایک خط لکھا جو کسی ذریعے سے ایک احمدی دوست تک پہنچ گیا اور وہ محفوظ کر لیا گیا۔ اس خط میں وہ لکھتے ہیں کہ:

> ''مجھ سے خدا کا عجیب سلوک ہے کہ روزن بند ہے اور دن کے وقت بھی رات کی تاریکی ہے مگر جوں جوں اندھیرا بڑھتا ہے میرا رب میرے دل کو روشن تر کرتا چلا جاتا ہے اور ایک عجیب نور کی حالت میں میرا وقت بسر ہو رہا ہے۔''
>
> (الفضل قادیان، ۹ / اگست ۱۹۲۴)

ان کو جب اس قید خانے سے نکال کر حضرت صاحبزادہ عبداللطیفؓ صاحب شہید کی طرح گلیوں میں پھرایا گیا اور طعن و تشنیع کی گئی اور مذاق اڑایا گیا تو اس وقت بھی باہر کا ایک گواہ تھا جو مشہور اخبار ''ڈیلی میل'' انگلستان کا نمائندہ تھا۔ اس نمائندے نے اس ذکر کو زندہ رکھنے کے لئے ایک ایسا بیان دیا جو تاریخی حیثیت رکھتا ہے اور جسے اس زمانے کے ''ڈیلی میل'' میں شائع کیا گیا۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ باوجود اس کے کہ اس شخص پر انتہائی ذلت پھینکی جا رہی تھی اور اسے گالیاں اور تکلیفیں دی جا رہی تھیں، وہ کابل کی گلیوں میں پا بجولاں پھرتا ہوا ایک آہنی عزم کے ساتھ مسکرا رہا تھا۔ اس کی

روح ایسی غیر مفتوح اور نا قابل تسخیر تھی کہ اس کا نظارہ کبھی بھلایا نہیں جا سکتا اسی حالت میں اس کو اس مقام پر لے جایا گیا جہاں اس کو سنگسار کرنا تھا اور ہمارے سامنے پتھر برسے لیکن اس نے اف تک نہ کی۔ ہاں، پتھراؤ سے پہلے صرف یہ خواہش کی کہ مجھے دو نفل پڑھنے کی اجازت دی جائے اور اس طرح انہوں نے دو نفلوں کے ساتھ ان مسلمان مجاہدین کی یاد کو پھر زندہ کیا جنہوں نے آنحضور ﷺ کے زمانے میں اسی شان کے ساتھ شہادت پائی تھی۔ چنانچہ کابل کی سرزمین پر انہوں نے دو نفل پڑھے اور اس کے بعد ان کو بھی حضرت صاحبزادہ عبداللطیفؓ صاحب شہید کی طرح زمین میں گاڑ دیا گیا اور پھر پتھراؤ کیا گیا۔

تاریخ احمدیت اس دور سے گزر رہی ہے اور بن رہی ہے اور بنتی رہے گی اور انشاء اللہ تعالیٰ احمدی کبھی بھی اپنے ایمان کی صداقت پر حرف نہیں آنے دیں گے۔ ان کی آواز ہمیشہ یہی رہے گی اور صرف صاحبزادہ عبداللطیفؓ صاحب شہید کی آواز نہیں ہوگی بلکہ ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں آوازیں بن کے وہ آواز گونجتی رہے گی کہ یہ زندگی کیا چیز ہے، یہ اموال کیا چیز ہیں اور ان اولادوں کی کیا قیمت ہے؟ تم نے جو کرنا ہے کرو اور کر گزرو۔ ہم اپنے ایمان پر ثابت قدم رہیں گے۔

یہ ہیں وہ لوگ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثُمَّ اسْتَقَامُوْا انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اللہ ہمارا رب ہے۔ کتنا پیارا دعویٰ ہے، کتنا پاکیزہ دعویٰ ہے، کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس دعویٰ کے بعد کوئی قوم ان سے نفرت کرنے لگے، ان سے حقارت کا سلوک کرے، ان کے اموال لوٹے، اور ان کی جانیں لے لیکن فرماتا ہے کہ تم سے یہی سلوک ہوگا۔ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا پھر جو لوگ استقامت اختیار کریں گے ان کے ساتھ میرا بھی ایک سلوک ہوگا اور وہ یہ کہ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ کثرت کے ساتھ ان پر فرشتے نازل ہوں گے یہ کہتے ہوئے اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا کہ تم کوئی خوف نہ کرو اور کوئی غم نہ کھاؤ، ہم تمہیں اس جنت کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ہم اس دنیا میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی تمہارے ساتھی رہیں گے۔ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ اور تمہارے لئے اس جنت میں جس کی خوشخبری لے کر ہم آئے ہیں وہ کچھ ہے جو تمہارے دل چاہتے ہیں وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ اور وہ کچھ ہے جس کا تم ادعا کرتے ہو، جو تمہارا مطلوب اور مقصود ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا، ان لوگوں میں کچھ شہید بھی ہوئے انہوں نے اپنی جانیں خدا کی راہ میں دے دیں۔ بہت سے ہیں جن کے اموال لوٹے گئے بہت سے ہیں جن کے بچے ان کی آنکھوں کے سامنے قتل کئے گئے بہت سے ہیں جن کی ساری عمر کی کمائی ان کی آنکھوں کے سامنے جلا کر خاک کر دی گئی۔ پھر اَلَّا تَخَافُوْا کا کیا مطلب ہے اور وَلَا تَحْزَنُوْا کے کیا معنی ہیں؟ وہ جنت کیسی ہے جس کی خبریں فرشتے لے کر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جنت اسی دنیا میں شروع ہوگئی ہے؟

اس کے اور بھی معانی ہوں گے لیکن دو معانی کی طرف میں آپ کو اس وقت توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ ایک معنی تو یہ ہے کہ یہ قومی خطاب ہے کیونکہ اس میں جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ قومی تقدیر اس طرح پر بنے گی کہ فرشتے نازل ہوں گے گو انفرادی طور پر کچھ نقصان بھی پہنچیں گے لیکن بالآخر ہر نقصان کے بعد ایسے سامان پیدا کئے جائیں گے کہ وہ مومنین جو استقامت دکھائیں گے وہ پہلے سے بہت بہتر حالت میں ہونگے۔ ان کے چند روپے لوٹے جائیں گے تو وہ لکھوکھہا میں تبدیل ہو جائیں گے ان کی چند جانیں جائیں گی تو لکھوکھہا اور لوگ ان میں شامل ہوں گے اور ان کی اولادوں میں بھی برکت دی جائے گی۔ یہ ایسی قوم ہے جس کو ہمیشہ حزن ہی کے راستوں پر نہیں چلنا ان کے غم پیچھے رہتے چلے جائیں گے اور خوشیاں ان کے آگے آگے دوڑیں گی اور ان کے تمام خوف امن میں تبدیل کر دیئے جایا کریں گے۔

اور دوسرا معنی یہ ہے کہ ان استقامت دکھانے والوں میں خدا کے کچھ ایسے بندے بھی ہوں گے جن کو خدا کے رستے کے غم، غم نظر نہیں آئیں گے۔ جن کو جب خدا کے نام پر ڈرایا جائے گا اور خدا کا نام لینے کے نتیجہ میں ڈرایا جائے گا تو وہ خوف سے آزاد لوگ ہوں گے۔ چنانچہ اس گروہ کے متعلق ایک دوسری جگہ خدا نے فرمایا:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۳﴾

(یونس: ۶۳)

کہ انہی لوگوں میں جن پر فرشتے نازل ہو کر یہ کہتے ہیں کہ غم نہ کھاؤ اور خوف نہ کرو کچھ ایسے لوگ ہیں جو غم اور خوف سے پہلے سے ہی آزاد کر دیئے گئے ہیں کیونکہ یہ اولیاء اللہ ہیں۔

اور ان دونوں معنوں کے لحاظ سے جنت کی خوشخبری کی تعبیریں بھی الگ الگ کی گئیں۔ یعنی

وہ لوگ جو شہید ہوتے ہیں ان کو جب فرشتے کہتے ہیں کہ خوف نہ کھاؤ اور غم نہ کرو یا غم نہ کرو اور خوف نہ کھاؤ تو اس کے کیا معنی ہوتے ہیں، کیا وہ لوگ اس کو طعن سمجھتے ہیں؟ ہرگز نہیں کیونکہ خدا کی راہ میں جو کچھ وہ پیش کرنا چاہتے ہیں وہ ان کے دل کی تمنا ہوتی ہے اور وہ یہی چاہتے ہیں کہ خدا کی راہ میں شہید کر دیئے جائیں۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایسے اولیاء اللہ بھی گزرے ہیں جنہوں نے الحاح کے ساتھ دعائیں کرائیں کہ یا رسول اللہ! دعا کریں کہ ہم شہید ہو جائیں۔ ایک صحابی کے متعلق آتا ہے کہ جنگ احد میں وہ دشمن پر بار بار اس لئے حملے کرتے تھے کہ شہادت پائیں لیکن ہر بار سلامت واپس لوٹ آتے۔ یہاں تک کہ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے لئے دعا کریں کہ میں واپس نہ آؤں بلکہ شہید ہو جاؤں اور شہید ہو گئے اور پھر واپس نہیں لوٹے۔

پس خدا کی راہ میں قربانیاں دینا ہی ان لوگوں کی جنتیں ہو جاتی ہیں۔ یہ نہیں کہ فرشتے ان سے دھوکہ کر رہے ہوتے ہیں اور طفل تسلیاں دے رہے ہوتے ہیں۔ جس طرح غریب مائیں بعض دفعہ چاہتی تو ہیں کہ بچوں کی خواہش پوری کریں لیکن نہیں کر سکتیں پھر وہ طفل تسلیاں دیتی ہیں کہ کوئی بات نہیں ابھی چیز مل جائے گی یا پیسے مل جائیں گے یا یہ کہ ابو گھر آ جائیں گے۔ لیکن خدا تو غریب ماں کی طرح نہیں کہ طفل تسلیاں دے۔ اس کے فرشتے تو خالی ہاتھ نہیں ہوا کرتے۔ ہاں اللہ ان کے دلوں پر نظر ڈالتا ہے اور جانتا ہے کہ ان کے دل کی اصل تمنائیں کیا ہیں۔ پس وہ فرشتے ان کے پاس یہ کہتے ہوئے آتے ہیں کہ یہی تو وہ جنت تھی جس کا تم انتظار کر رہے تھے ہم وہ جنت لیکر آ گئے ہیں وہ مسکراہٹ جو ان شہداء کے چہروں پر دیکھی گئی، وہ اسی جنت کی خوشخبری کی مسکراہٹ تھی۔ ان کے دل کی کیفیت کا حال دنیا والے نہیں جانتے، نہیں سمجھ سکتے، وہ ان سے بے خبر ہیں۔ یہ اس دنیا کے لوگ نہیں ہیں یہ اہل بقا ہیں جو اس فانی دنیا میں بھی بقا کی جنت پا جاتے ہیں اور ان کے دل کی کیفیت کے مطابق ان سے سلوک کیا جاتا ہے۔ پس چونکہ وہ پہلے سے ہی غموں سے اور خوف سے آزاد ہوتے ہیں اس لئے ان کے متعلق یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ کسی وقت بھی غم اور خوف کی حالت میں وقت گزار رہے ہوں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ زندہ رہتے ہیں۔

چنانچہ جہاں تک قومی زندگی کا تعلق ہے ظاہر میں بھی ایک خوف امن میں بدلتا چلا جاتا

ہے۔ ہر حزن کے بدلے میں اتنا عطا کیا جاتا ہے کہ اس دنیا میں بھی وہ جنت نظر آنے لگتی ہے جو قربانیوں کے بعد عطا ہوا کرتی ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تاریخ بھی اس پر گواہ ہے اور ہم خدا کے عاجز بندے بھی جس دور سے گزر رہے ہیں اس میں ہم نے بھی بارہا دیکھا کہ خدا کی راہ میں اگر ایک احمدی نے چند روپے کا نقصان برداشت کیا تو اس کے نتیجے میں اس کو سینکڑوں روپے عطا ہوئے سینکڑوں کا نقصان ہوا تو ہزارہا عطا ہوئے اور ہزاروں کا نقصان برداشت کیا تو لکھوکھہا عطا ہوئے۔ پس جس جماعت کو خدا کی طرف سے یہ ضمانت دی گئی ہو کہ تمہارا ہر غم خوشی میں تبدیل کر دیا جائے گا وہ خدا کی راہ میں کس طرح قدم پیچھے ہٹا سکتی ہے، جس جماعت کی تاریخ اس بات کی گواہ ہو کہ تمہارا ہر خوف امن میں تبدیل کر دیا جائے گا وہ کس طرح کسی خوف کو پیٹھ دکھا کر بھاگ سکتی ہے۔

چنانچہ یہ وہ لوگ ہیں جن میں سے داعی الی اللہ پیدا ہوتے ہیں جو مصائب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آگے قدم بڑھاتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ماضی ان کے لئے کیا لے کر آیا تھا لیکن یہ بھی جانتے ہیں کہ ہر ایسے ماضی کے بعد خدا کے فرشتے ان کے لئے کیا لے کر آئے تھے۔ پس وہ گواہ ہوتے ہیں ان مصائب کے بھی جو ان کو پہنچتے ہیں اور گواہ ہوتے ہیں ان جنتوں کے بھی جو مصائب کے دور کے بعد ہمیشہ ان کو عطا کی جاتی ہیں۔ اس حالت میں جب وہ اللہ کی طرف بلاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ دیکھو دیکھو! میرے ان بندوں سے زیادہ حسین ادعا دنیا میں کس کا ہوسکتا ہے۔ مصائب کے سارے ادوار سے گزرنے کے بعد پھر یہ میری طرف بلا رہے ہیں۔ پہلے یہ کہا تھا کہ رب ہمارا ہے۔ اب کہتے ہیں کہ اے دنیا والو! تم بھی اسی رب کے ہو جاؤ۔ اپنے اس تجربے کے بعد وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ہم تو ایسی عظیم الشان دولت کو پا چکے ہیں کہ دل پھڑک رہا ہے کہ کاش! تمہیں بھی دولت نصیب ہو۔ اس جوش اور جذبے کے ساتھ وہ خدا کے دین کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر ایک عرب شاعر کا یہ شعر بڑی شان کے ساتھ چسپاں ہوتا ہے۔

؎ وَلَا يَكْشِفُ الْغَمَاءَ اِلَّا ابْنُ حُرَّةٍ
يَرٰى غَمَرَاتِ الْمَوْتِ ثُمَّ يَزُوْرُهَا

(جعفر بن علبۃ الحارثی، دیوان الحماسہ، صفحہ ۱۱)

یعنی وہ مصائب یا وہ جگہیں جہاں موت کے تاریک مصائب ہجوم کر رہے ہوتے ہیں اور ان کے چہرے رات کی طرح سیاہ ہوتے ہیں ان مصائب کو کوئی ہٹا نہیں سکتا مگر آزاد ماں کا بیٹا جوان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا ہوا ان کی طرف بڑھتا اور پھر ان میں داخل ہو جاتا ہے۔ وہ ہر تاریکی کو نور اور روشنی میں تبدیل کر دیتا ہے اور ہر موت کو ایک زندگی عطا کرتا ہے۔ پس یہ ہیں وہ لوگ جو رَبُّنَا اللّٰہُ کہتے ہیں اور پھر اس دعویٰ پر استقامت اختیار کرتے ہیں، جن پر خدا کے فرشتے نازل ہوتے ہیں، جن کی ہر تاریکی نور میں تبدیل کی جاتی ہے اور پھر وہ تاریکی میں بسنے والے ہر شخص کو اسی نور کی طرف بلاتے ہیں۔ ان کا ہر غم خوشی میں تبدیل کر دیا جاتا ہے پھر وہ دنیا کی طرف بڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آؤ ہم تمہارے غم بھی اٹھائیں اور انہیں خوشیوں میں تبدیل کریں۔ یہ وہی لوگ ہیں کہ جن کو خوف ڈراتے ہیں لیکن وہ ان خوفوں سے خوف نہیں کھاتے بلکہ دنیا کے خوف ہٹانے کے لئے دنیا کی طرف بڑھتے ہیں۔

یہ ہیں وہ داعی الی اللہ جو ہمیں بننا ہوگا کیونکہ دنیا ہزار قسم کی ظلمات کا شکار ہے، ہزار خوفوں میں مبتلا ہے، ہزار قسم کے حزن ہیں جو سینوں کو چھلنی کئے ہوئے ہیں۔ پس اے احمدی! آگے بڑھ اور ان خوفوں کو دور کر، ان اندھیروں کو روشنی میں تبدیل کر دے اور ان غموں کو راحت و اطمینان میں بدل دے کیونکہ تیرے مقدر میں یہی لکھا گیا ہے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲؍مئی ۱۹۸۳ء)